منیر نیازی کی کالم نگاری

امتیاز احمد*

ڈاکٹر شازیہ عنبرین**

Abstract:

Column possesses uniqueness while presenting issues in an organized and comprehensive way. Munir Niazi's columns not only satisfy literary mind but covers political, social bareness sexual frustration, social deterioration and lawlessness also. These columns base on his personal experiences. He has elevated and positive thoughts. There is nostalgia and symbolism in his poetry, the style of his columns is clear and attractive.

دنیا بھر کے ذرائع ابلاغ میں تبصرے کا رجحان تیزی سے بڑھ رہا ہے۔اس کی بڑی وجہ جاری شدہ خبروں اور معلومات کی مقدار و تعداد کے ساتھ ساتھ پیچیدگیوں میں بھی اضافہ ہو رہا ہے۔ جو کہ ایک عام ناظر، قاری یا سامع ان پیچیدگیوں کو سمجھنے سے قاصر ہے۔ ازل سے ابلاغ کی یہ پیچیدگیاں کسی ایسے مواد کی تلاش میں سرگرداں تھیں جس سے ان پیچیدہ مسائل اور معالات کو نہ صرف عام قاری، ناظر یا سامع تک پہنچائیں بلکہ اس کے پس منظر کو بھی منظر عام پر لائیں۔ اس ضمن میں ادب میں ایک ایسی صنف کی ضرورت تھی۔ جو اپنی معنویت اور انفرادیت میں ان پیچیدگیوں کو مختصر، جامع اور سہل انداز میں پیش کر سکے۔ معاملات کی ان پیش بندیوں کو مدنظر رکھتے ہوئے ''کالم'' ادبی اصناف میں ایک مربوط اور جامع صنف کے طور پر سامنے آیا۔ کالم کی اصل انگریزی زبان کا لفظ "Column" ہے جسے اُردو زبان میں جوں کا توں اپنا لیا گیا۔ حالانکہ کالم کے لغوی اور اصطلاحی معنی الگ تھلگ ہیں۔ کالم کے لغوی اور اصطلاحی کا مختلف مفکرین اور ادباء کی آراء میں جائزہ لیتے ہیں۔

Oxford Dicionary of English کے مطابق کالم کے مطابق

"Colum: vertical support of a building XV (Lydg)

* پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ اُردو، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان

** شعبہ اُردو، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان

vertical division of a page etc."(۱)

''کالم انگریزی زبان کا لفظ ہے اس کے لغوی معنی ستون، کھمبا، مینار، یا صفحے کا حصہ کے ہیں''۔(۲)

فیروز اللغات میں کالم کو اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

''صفحے کا حصہ، (خصوصاً اخبار کا) خانہ، فوج کا ایک دستہ''۔(۳)

نور اللغات جلد چہارم میں کالم کا مفہوم اس طرح واضح کیا گیا ہے۔

''کالم (انگ) صفحے کا حصہ، جیسے نور الغات کے ہر حصے میں دو کالم ہیں، فوج کا دستہ''۔(۴)

کتابستان ڈکشنری، کتابستان اُردو بازار لاہور میں کالم کے معنی اس طرح سے ہیں۔

''ستون سی کوئی شے column Pillar، اٹھتا ہوا دھواں، فوج کا پردہ یا دستہ، جمع کرنے کیلئے ایک دوسرے پر رکھی ہوئی رقمیں، وطن کے چھپے ہوئے دشمن، دشمنانِ وطن، خانہ، اخبار کا مستقل موضوع یا عنوان والا حصہ، کالم، اخبار کا مستقل کالم، خصوصی تبصرہ نگار، نامہ نگار خصوصی''۔(۵)

Oxford guide to English language میں کالم کی تعریف اس طرح کی گئی ہے۔

"Column: round pillar thing shaped like. This vertical division of page, printed matter is this, long narrow formation of troops verticals etc."(۶)

ڈاکٹر رشید احمد گوریجہ، ''رہنمائے صحافت'' میں کالم کی تعریف اس طرح بیان کرتے ہیں۔

''کالم کا لفظ انگریزی زبان سے جوں کا توں اُردو میں لیا گیا ہے۔ انگریزی میں فوج کی تنظیم و تربیت میں چلنے کو کالم کہا جاتا ہے۔ اس طرح فوج اگر ایک قطار میں چل رہی ہو تو اُسے بھی کالم کہا جاتا ہے''۔(۷)

ان تمام تعریفوں کو مدنظر رکھتے ہوئے کالم کو مختصر طور پر یوں بیان کر سکتے ہیں کہ کالم عمارت کے ستون یا مینار کو کہا جاتا ہے۔ جس کے بل بوتے پر وہ عمارت کھڑی ہوتی ہے۔ باالفاظِ دیگر عمارت کی بنیادیں بھی کالم کے زُمرے میں آتی ہیں۔

کالم کی دوسری اصطلاح فوج سے ماخوذ نظر آتی ہے کہ فوجیوں کے دستے اور فوجیوں کی قطاروں کو کالم کہتے ہیں۔ صحافتی اصطلاح میں کسی موضوع پر مستقل طور پر چھپنے والی تحریر کو کالم کہا جا سکتا ہے۔ آغاز میں جب

اخبارات چھپنا شروع ہوئے تو ان کا سائز بہت چھوٹا تھا۔ تو اخبار کے پورے صفحے پر کتابت کتابی صورت میں کی جاتی تھی۔ جسے قارئین پڑھنے میں دقت محسوس کرتے کچھ عرصہ بعد اخبار کے سائز کو بڑھا کر اس کو دو حصوں میں منقسم کر دیا گیا اور اس طرح کے اخبار کو دو کالمی اخبار کہا گیا۔ اس طرح کے اخبار میں بھی قارئین کا مسئلہ جوں کا توں رہا اور قارئین کو لمبے لمبے فقرات اور سطور پڑھنے کو ملتی۔ جس سے قارئین جلد اکتاہٹ کا شکار ہو جاتے۔ پھر اخبارات کو چھوٹے چھوٹے حصوں میں منقسم کر دیا گیا اور ہر حصہ کالم کہلایا، عموماً اخبارات کو آٹھ حصوں میں کالموں میں منقسم کیا جاتا ہے، جس کا مقصد صرف اور صرف قارئین کی مشکلات کو ختم کر کے ان کی دلچسپی کو اُجاگر کرنا اور برقرار رکھنا ہے۔

قیام پاکستان کے بعد جن اخبارات کے مالک ہندو تھے ان میں اکثر بھارت منتقل ہونا شروع ہو گئے۔ اس طرح جو اخبارات دہلی سے نکلتے تھے وہ پاکستان منتقل ہو گئے۔ کچھ اخبارات ایسے تھے جنہیں مقامِ اشاعت تبدیل کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ جن میں نوائے وقت بھی شامل ہے، نوائے وقت کی ابتداء پندرہ روزہ جریدے سے ہوئی۔ ۲۳/ مارچ ۱۹۴۰ء کو نوائے وقت کا پہلا شمارہ شائع ہوا اور ۲۲/ جولائی ۱۹۴۴ء کو یہ روزنامہ بن گیا۔ (۸) حمید نظامی اس کے مدیر تھے روزنامہ نوائے وقت میں سرِ راہے، روزنِ دیوار، غیر سیاسی باتیں، جلسہِ عام، سویرے سویرے، پارٹی پالیٹیکس، دید شنید عنوان کے تحت بسا اوقات مختلف لوگوں نے کالم لکھے۔ روزنامہ جنگ کا آغاز ۱۹۳۹ء میں دہلی سے ہوا۔ (۹) اس کے ایڈیٹر غلام نبی پردیسی اور منتظمین میں دادا عشرت اور میر خلیل الرحمان تھے۔ آغاز میں روزنامہ جنگ شام کا اخبار تھا۔ قیام پاکستان کے بعد روزنامہ جنگ کراچی منتقل ہو گیا۔ کراچی سے جنگ کا پہلا شمارہ ۱۵/ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو شائع ہوا۔ ۱۰/ فروری ۱۹۴۸ء میں سید محمد تقی کی زیرِ صدارت یہ اخبار صبح کا ہو گیا۔ (۱۰) روزنامہ جنگ میں مجید لاہوری، ''حرف و حکایت''، شفیع عقیل، ''گرد و پیش''، شوکت تھانوی ''وغیرہ وغیرہ''، ''منیر نیازی، ''شہرنما''، انعام درانی ''تلخ و شیریں''، ابنِ انشاء، ''مخل در معقولات''، احمد ندیم قاسمی، ''لاہور، لاہور ہے''، موج در موج، رواں دواں، منوں بھائی، ''گریبان''، حبیب الرحمان شامی ''جلسہ عام'' عبدالقادر حسن، ''غیر سیاسی باتیں'' اور نسیمہ بنت سراج، ''للہ معاف کرے'' کے عنوانات سے کالم لکھتے رہے۔ ان تمام کالم نگاروں کے کالموں میں سیاست، اقتصاد، مزاح، سائنسی معلومات، شاعرانہ اسلوب، معاشی مسائل، حکومتی گٹھ جوڑ اور ہر طرح کے کثیر المقاصد معلومات پائی جاتی ہیں۔ ان کالم نگاروں میں کچھ شخصیات خالص ادبی قد کاٹھ کے حامل ہیں۔ اُن کے کالموں کا جو بھی موضوع ہو اُن میں ادبی آمیزش ضرور محسوس ہوتی ہے۔ اس طرح کے ادبی قبیل میں منیر نیازی کا نام سرفہرست ہے۔ (۱۱) منیر نیازی کے کالم بعنوان ''شہرنما'' روزنامہ جنگ لاہور ۱۹۹۳ء میں گاہے بگاہے شائع ہوتے رہے۔ (۱۲) منیر نیازی کے یہ کالم ادبی اہمیت کے ساتھ ساتھ سیاست، ادب، معاشرتی نا آسودگی، جنسی گھٹن، رشوت ستانی ہوشربا مہنگائی، معاشرتی انتشار اور قوانین کی بے حرمتی ایسے موضوعات سمیٹے ہوئے ہیں۔ منیر نیازی کے کالم ''شہرنما'' کے مطالعے سے تجزیہ کیا جا سکتا ہے کہ یہ کالم اُن کے انفرادی تجربات کا نچوڑ ہیں۔

ان تجربات کی روشنی میں وہ جمہوری سیاست اور معاشرے میں اُس کے اثرات کا جائزہ لیتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ پاکستان کے عوام کے ذہن میں جمہوریت سے متعلق کیا توقعات ہیں اور جمہوریت ان کی توقعات کا جوحشر کرتی ہے منیر نیازی اپنے ایک کالم ''لوٹے، جمہوریت، سرمایہ دار'' میں یوں گویا ہوتے ہیں۔

> ''ہمارے ہاں جمہوریت کی خواہش میں جو شدت اور چاہت تھی جمہوریت کی تشریح اور اس کا نفاذ کرنے والوں کے ہاتھ اس کا جوحشر ہوا، اس کی تلخی برسوں تک ہماری زندگی سے نہیں جائے گی۔ اس کا نام سنتے ہی بےزاری کی شدید کیفیت دل و دماغ پر طاری ہونے لگتی ہے۔ اس کے نام پر جو زندگی بسر ہو رہی ہے اُس نے عوام کی اکثریت کو مارشل لاء کی خواہش میں مبتلا کر دیا ہے۔ لوگ جمہوریت کے ہاتھوں نالاں ہیں۔ بے چین ہیں اور اس بے چینی میں ایک مضبوط حکومت کے خواہش مند ہیں چاہے وہ مارشل لاء کی ہی ہو''۔ **(۱۳)**

منیر نیازی اس اقتباس میں پاکستانی سیاست اور جمہوری نظام حکومت کی بات کرتے ہوئے صاحبِ اقتدار لوگوں کا ذکر کرتے ہیں۔ جنھوں نے جمہوریت کا عوام کے سامنے اس طرح غمازی کرتے ہوئے پیش کیا کہ عوام جمہوریت کی بجائے مارشل لاء کو ترجیح دیتے ہیں۔ لوگ بدحالی، مفلسی، غلامی اور طبقۂ اولیٰ کے ذاتی مفادات کی وجہ سے جمہوریت کا نام سنتے ہی بےزار ہونے لگتے ہیں۔ منیر نیازی دراصل جمہوری نظامِ حکومت پر تنقید نہیں کرتے بلکہ اُن کرداروں پر طنز کرتے دکھائی دیتے ہیں جنھوں نے جمہوریت کی اصل روح کو مسخ کر کے ذاتی مفادات کو ترجیح دی۔ منیر نیازی ایسی جمہوریت کے قائل ہیں جو عوامی آزادی، مساوات اور معاشرتی تعمیر کی ضامن ہو۔ ایسی جمہوریت کا نفاذ ہمارے معاشرے میں ناممکنات میں سے ہے۔ اسی طرح وزارتِ عظمیٰ پر متمکن حضرات کے بارے ایک کالم ''شناسائی، سیاست اور ایک نیا ادبی رسالہ'' میں بیان کرتے ہیں کہ پاکستان میں صرف طبقۂ اقتدار میں چہرے بدلتے ہیں نظام نہیں۔

> ''دونوں گئے، صدر اسحاق خان اور وزیر اعظم نواز شریف، دونوں، ان کے جانے سے ملک بظاہر ایک بہت بڑے سیاسی بحران سے رہا ہوا۔ ہماری سیاسی صورت حال اتنی پیچیدہ اور اس قدر نا قابل فہم ہے کہ اس کے بارے میں کوئی بات کرنا یا اس کا تجزیہ کرنا ناممکن سا ہے۔ ان کے ان عہدوں پر آنے سے کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔ اور ان کے جانے سے بھی کوئی فرق نہیں پڑے گا''۔ **(۱۴)**

منیر نیازی اس کالم میں بے باکی سے بیان کرتے ہیں کہ پاکستانی سیاستی اور اقتدار میں کسی نئے چہرے کے آنے یا جانے سے کوئی فرق نہیں پڑتا سیاسی ردعمل اور اس کا ردعمل ایک طرح کا ہی ہوتا ہے۔ کسی قسم کی مثبت تبدیلی دکھائی نہیں دیتی۔ منیر نیازی اس کالم میں انتقامی سیاست پر تنقید کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ وہ بین السطور

خالص سیاست اور خالص جمہوری نظام کا نفاذ چاہتے ہیں۔کالم ’’شناسائی، سیاست اور ایک نیا ادبی رسالہ‘‘ دو حصوں پر مشتمل ہے جس کا ایک حصہ سیاسی موضوع پر ہے اور دوسرا حصہ میں ایک ادبی رسالہ پر تبصرہ کیا گیا ہے۔اسی طرح اُن کے کئی دوسرے کالم بھی اس طرح کے موجود ہیں جن میں دو یا تین موضوعات ایک ساتھ پائے جاتے ہیں۔منیر نیازی بنیادی طور پر ادیب ہیں اس لیے تقریباً تمام کالموں میں ادبی موضوعات عموماً موجود ہیں۔کالم ’’شیر لا کر جلسے کی رونق بڑھانا اچھی روائت نہیں‘‘ میں پہلے حصہ میں ادبی اور دوسرے حصہ میں سیاسی موضوع پر بحث کی گئی ہے۔ادبی موضوع پر بحث کرتے ہوئے انگریز دانشور رسل کی بات کا تجزیہ کرتے لکھتے ہیں۔

> ’’رسل نے ایک بار کہا تھا کہ جس مصنف کو ایک بار محسوس ہونے لگے کہ وہ لکھنے کی صلاحیت کھو بیٹھا ہے یا تخلیق سے معذور ہو گیا ہے اُسے چاہیے کہ وہ اپنا پیشہ ترک کر دے، بحری قزاق بن جائے یا سائبیریا چلا جائے‘‘۔ **(۱۵)**

رسل کی یہ بات معاشرے کے سبھی طبقوں پر صادق آتی ہے اور اس کا اثر بھی زندگی کے متعلقہ تمام شعبہ جات پر پڑتا ہے۔عہدِ موجود کے تخلیق کاروں کی ایک بڑی تعداد اپنے انفرادی شعبہ میں مکمل دسترس نہیں رکھتے۔ان میں زیادہ تر عدم تحفظ کے احساس میں مبتلا ہیں۔جس سے اُن کی تخلیقی صلاحیت معدوم اور زوال کا شکار دکھائی دیتی ہے۔انحطاط اور زوال کا شکار بعض تخلیق کار دوسرے زرخیز ذہن والے تخلیق کاروں کے خیالات کو اپنے پیرائے اظہار میں پرو دیتے ہیں۔اور سرقہ بازی جیسے منفی اخلاقی رویوں میں مبتلا ہوتے چلے جاتے ہیں۔منیر نیازی ارفع اور مثبت سوچ کے حامل ادیب ہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ تخلیقی انحطاط کے شکار تخلیق کاروں کو چاہیے کہ اپنے شکستہ تجربات کی مشق جاری رکھے ایک دن یہی تجربات اُس کی کامیابی اور انفرادیت کی ضمانت ہوں گے۔

اسی کالم کے دوسرے حصہ میں سیاست دانوں کے اوچھے ہتھکنڈوں کا ذکر کرتے ہیں اور گہری طنز کا نشانہ بناتے ہوئے ایک جلسے کا آنکھوں دیکھا حال بیان کرتے ہیں۔

> ’’جب ایک کارکن ایک شیر لے کر اس جلسے میں داخل ہوا تو حاضرین کی تعداد میں بہت اضافہ ہو گیا۔اس جلسے میں شیر لے کر آنے کی حرکت جس کارکن نے بھی کی اور جس جماعت کے زیادہ بااثر صلاح کار کے اشارے پر کی ایک احمقانہ حرکت تھی اس کا مطلب بامقصد لوگوں کو یہ باور کرانا تھا کہ عوام کے دلوں میں اب اپنے رہنماؤں کو دیکھنے اور سننے کی کشش کم اور مدہم ہو گئی ہے ہو سکتا ہے کہ کل کوئی جماعت دوسرا شیر اپنے جلسے میں لے آئے۔یا کوئی اور ایسا جانور جو اس سے پہلے لوگوں نے نہ دیکھا ہو۔ یا کوئی تین سروں والا عجیب الخلقت بچہ یا جلسے کی رونق بڑھانے کیلئے سانپ اور نیولے کی لڑائی دکھا دے اور منہ سے آگ کے شعلے نکالنے والا کوئی پروفیسر لے آئے یا سر کے بل کھڑا ہو کر جوس کا گلاس پی جانے والا یوگا کا ماہر‘‘۔ **(۱۶)**

اقتباس میں منیر نیازی جلسوں کے سیاسی منظر نامے کو مضحکہ خیزی سے پیش کرتے ہیں۔جلسوں میں عوام اپنے رہنماؤں کے خیالات سے واقف ہونے اوران کی تقریروں سے سیاسی شعور کے حصول کیلئے جاتے ہیں۔تا کہ وہ اپنے محبوب رہنماؤں کے حال اور مستقبل کی منصوبہ بندیوں کے متعلق جان سکیں۔لیکن اُن کی اس طرح کے بازاری کردار سے دلبرادشتہ ہوکراس خیال سے واپس آجاتے ہیں کہ اگر آئندہ انہیں شیر دیکھنے کی ضرورت ہوگی تو وہ اس سیاسی جلسے والے شیر سے تندرست شیر چڑیا گھر جا کر دیکھ لیں گے۔

سیف الدین سیف کی ہمہ جہت شخصیت کے بارے میں منیر نیازی نے ایک مختصر کالم بعنوان ''خاص وضع اور سج دھج کا آدمی سیف الدین سیف'' تحریر کیا۔منیر نیازی کی اپنی خاص انفرادیت تھی کہ وہ کسی کو بہت کم لوگوں کو خاطر میں لاتے تھے۔سیف الدین سیف کی وضع داری اور ملنساری کی وجہ سے اُن کا بہت احترام کرتے تھے۔اس کالم میں لکھتے ہیں:

> ''امرتسر کے سیف صاحب کو میں نے قیام پاکستان کے بعد کئی حالات میں دیکھا ہے۔ہجرت، عسرت، آسودگی، امارت ہر رنگ اور ایک خاص وضع اور وقار میں دیکھا ہے۔دوسروں کی عزت کرنا اور اُن کے دلوں میں اپنے لیے عزت کے جذبات پیدا کرنا''۔ (۱۷)

منیر نیازی نے سیف الدین سیف کی جو شخصیت تراشی ہے۔اُس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ دوسروں کی خوشی میں خوش ہونے والے انسان تھے۔یہ کالم خاص ادبی موضوع کا حامل ہے۔سیف الدین سیف کا مختصر ساخاکہ اس کالم میں نظر آتا ہے۔منیر نیازی کے کالموں میں جزئیات نگاری کا استعمال بھی خوبصورت طریقے سے ملتا ہے ایک کالم ''فیض کے اسباب'' میں معمولی معمولی چیزوں کو زیر بحث لا کر دوسرے مما لک سے اپنے ملک عزیز کا موازنہ کرتے ہیں اوراس موازنے کو مضحکہ خیز سنجیدگی سے پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

> ''جب میں شہر میں نکلتا ہوں تو مجھے فوری طور پر فیض کے تین اسباب کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ویگن، رکشا، ٹرک، کار، بس جن میں سے دھواں نہ نکل رہا ہو۔پورے شہر میں ایک واش روم۔۔۔۔کسی چوک کسی بھی جگہ پر ٹیلی فون بوتھ۔۔۔۔لاس اینجلس میں بیورے ہلز کے علاقے میں ہم چند دوست خوش گپیاں لگا رہے تھے۔کھانے پینے اور بات چیت میں وقت کا پتہ ہی چلا۔ریستوران کے ویٹر نے جب بل سامنے رکھا تو اس وقت رات کے تین بج رہے تھے۔بل اجتماعی بٹوؤں سے وزنی نکلا''۔(۱۸)

پاکستان میں ترقی یافتہ مما لک کی نسبت جو فیض کے اسباب موجود ہیں اُن میں درخت، پھول، پتے، پودے، فون بوتھ جبکہ لاس اینجلس (امریکہ) میں بھی یہ ذرائع جا بجا دستیاب ہیں پیسوں کی ضرورت کیلئے حکومت کی طرف سے جگہ جگہ مشینیں نصب ہیں ان ذرائع سے وہاں کے عوام ان سے استفادہ کرتے ہیں۔پاکستان میں اس

طرح کے ذرائع موجود ہونے کے ساتھ ایک منظّم نظام نہ ہونے کے باعث انحطاط کا شکار ہیں۔ درج بالا اقتباس میں مزاح کا عنصر بھی موجود ہے اور لاس اینجلس جیسے پوش مما لک کی مصنوعی صورت حال کو طنز کا نشانہ بھی بنایا گیا ہے۔ پاکستان میں فیض رسائی کے ذرائع دستیاب ہونے کے باوجود ان سے استفادہ نہیں کیا جا رہا۔ بلکہ انہیں ختم کیا جا رہا ہے منیر نیازی ان چھوٹی چھوٹی چیزوں کو موضوع گفتگو بنا کر اپنے پیرائے اظہار کو سلیقہ شعار، طنزیہ اور برملا بناتے دکھائی دیتے ہیں۔

فلم ایکٹر، ڈائریکٹر، اداکار، رائٹر اور شاعر ایسی ہمہ جہت شخصیت کے مالک اپنے دوست نعیم ہاشمی کی تصویر کشی کرتے ہوئے ایک جگہ یوں گویا ہوتے ہیں۔

> ''کئی دوستوں کو کہتے سنا ہے کہ نعیم ہاشمی نے مرنے میں بہت جلدی کر دی تھی۔ جبکہ میرے خیال میں کوئی شے دیرپا نہیں ہونی چاہیے۔ دیر تک نظر آنیوالی چیز اپنا حُسن کھو دیتی ہیں۔ زندگی بھی لمبی ہو جائے تو تنہایوں کے گھیرے میں چلی جاتی ہے لیکن یہ کوئی کلیہ بھی نہیں ہے۔ فلم آرٹسٹ کی حیثیت سے اپنی پہچان بنانے والے ہمارے اس شاعر دوست نعیم ہاشمی کی خوبصورت جوانی اس کے خواب کھا گئے اور بڑھاپے کو خود نعیم ہاشمی نے چاٹ لیا''۔ (۱۹)

منیر نیازی اپنا خاص شخصی معیار رکھتے تھے نہ ہر کسی کو اپنی غزل سناتے تھے اور نہ ہی لوگوں سے متاثر ہو کر انہیں خاطر میں لاتے تھے، لیکن نعیم لاشمی کی پُر اثر اور ہمہ جہت شخصیت کو جس خوبصورتی کے ساتھ پرویا ہے وہ بے نظیر ہے۔ فلمی صنعت میں کم عمری میں انہوں نے ایک مقام بنایا بطور ڈائریکٹر کام کیا اور کامیاب فلم ڈائریکٹ کیں۔ ویلن کے طور پر بھی کام کیا۔ منیر نیازی کا اُن کے بارے موقف ہے کہ نعیم ہاشمی باصلاحیت آدمی تھے اپنے شعبے سے مخلص تھے لیکن معاشرے کے لوگ اس طرح کے تخلیق کاروں کو نیچا دکھانے کیلیئے اُن کی راہ میں روڑے اٹکاتے ہیں اُن کی راہ میں دیواریں حائل کرتے ہیں۔ درج بالا اقتباس میں منیر نیازی ایک سچے تخلیق کار کی حوصلہ افزائی اس لیے کرتے دکھائی دیتے ہیں کیونکہ وہ اپنے شعبے اور کام سے مخلص ہوتے ہیں اور معاشرے میں بہت کم لوگ پر خلوص ہوتے ہیں۔

منیر نیازی کے کالموں کا مطالعہ کرتے ہوئے اس بات کا احساس ہوتا ہے کہ اُن کے زیادہ تر کالم معاشرے کے عوام کے مسائل کا احاطہ کرتے ہیں اور ان مسائل میں سیاسی رکاوٹیں کس طرح حائل ہو کر عوام کے مسائل میں مزید اضافے کا باعث ہوتے ہیں۔ ایک کالم ''نصف خوردہ آدمی'' سے ایک اقتباس جس میں منیر نیازی ان مسائل کو محسوس کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں:

> ''ہماری شہری اور قومی زندگی میں خوشی کا سب سے بڑا لمحہ وہ ہوتا ہے جب ایک حکومت چلی جاتی ہے اور دوسری حکومت کا کاروبار ابھی عوام سمجھنے کے عمل میں ہوتے

ہیں۔شریف خاندان کی طرز حکومت لوگوں کے دلوں سے اپنی کشش کھو بیٹھا تھا اور وہ پوری طرح محسوس کر چکے تھے:

جس دیس کا راجہ بیوپاری
اس دیس کی پرجا بھکاری **(۲۰)**

''نصف خوردہ آدمی'' میں معاشرے میں پائی جانے والی لوٹ مار، مہنگائی، ڈاکہ زنی، رشوت ستانی، اور دوسروں کو مصیبت میں دیکھ کر انہیں نجات دلانے کی بجائے موقع سے فائدہ اٹھا کر اپنے موقف کو پورے کرنے کی عادت کو مزاحیہ انداز میں بیان کرتے ہوئے طنز کا نشانہ بنایا ہے۔ یہ کالم سیاسی پہلو کا حامل ہے۔جس میں معاشرت کی زبوں حالی کا ذکر کیا گیا ہے کہ نئی حکومت کے وجود سے عوام میں معاشی خوشحالی ممکن ہو پائے گی۔لیکن دیس کے راجہ / حکمران تبدیل ہونے سے صرف چہرے تبدیل ہوتے ہیں منشور نہیں۔۔۔! اور اس نئی حکومت سے پرجا کی خوش گمانی ادھورے خواب کی طرح ماوراہی رہتی ہے۔ پرجا آہستہ آہستہ خوش گمانیاں دلوں سے نکال دیتے ہیں اور حکومت کے آنے جانے اور اُن کے طرز عمل سے حکمران دیس کے باسیوں سے اپنی کشش کھو بیٹھتے ہیں۔

بے روزگاری بین الاقوامی معمہ بن چکا ہے اور پاکستان میں تو یہ معمہ گھمبیر صورت حال اختیار کر چکا ہے۔ جس کی بنیاد مناسب منصوبہ بندی کی کمی ہے۔ پاکستان کے اس بنیادی اہم معمے کو منیر نیازی کو اپنے کالم ''بے روزگاری کی کھیپ'' میں مزاحیہ انداز میں پیش کیا ہے اور اس صورت کو طنز کا نشانہ بنایا ہے اس کالم سے ایک اقتباس جس میں بے روزگاری کے اسباب کا ذکر کیا گیا ہے ملاحظہ کیجئے۔

> ''دیہات سے بے روزگاروں کی جو کھیپ شہر میں تلاشِ روزگار کے لیے آئی ہے ان کی اکثریت بے ہنر افراد پر مشتمل ہوتی ہے مگر وہ کسی بھی پیشے کو اختیار کرنے سے مطلق نہیں ہچکچاتے۔ کیونکہ دیہاتی کو خبر ہوتی ہے کہ ہنر کوئی بھی ہو آتے آتے آ ہی جاتا ہے''۔**(۲۱)**

درج بالا اقتباس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بے روزگاری کا ایک بڑا سبب مناسب منصوبہ بندی کی کمی ہے۔ دیہات میں چونکہ افراد کی کثیر تعداد بے روزگاری کا شکار ہے اور یہ افراد کسی ہنر پر بھی دسترس نہیں رکھتے۔ ذریعہ معاش کے جز وقتی انخلا کیلئے وہ کسی بھی ہنر کو اپنا لیتے ہیں۔کوئی مالی بن جاتا ہے حالانکہ وہ مالی نہیں ہوتے کوئی گلی محلوں سے کتے پکڑ کر قیمتی کتے بیچنے والا بن جاتا ہے اور کتوں کے شوقین انہیں مہنگے داموں خرید کر لے جاتے ہیں۔ معاشرے کا یہ طبقہ معاشی کتھارسس کیلئے بدعنوانیوں میں بھی ملوث ہو جاتے ہیں۔منیر نیازی اپنے اس کالم میں ایک تجزیہ نگار کی سی بھی حیثیت سے نظر آتے ہیں کہ ملک میں روزگار کے مواقع نہ ہونے کے برابر ہیں اور بے روزگاری سے جھوٹ، منافقت اور چوری جیسے غیر اخلاقی رویے جنم لیتے ہیں۔طبقہِ اولیٰ اگر روزگار کیلئے مناسب منصوبہ بندی کر لے تو بے روزگاری پر قابو پا کر ان غیر اخلاقی رویوں کو ختم کیا جا سکتا ہے۔

منیر نیازی کے کالم معاشرتی نوعیت کے ہیں جن کے جزوی موضوعات میں سیاست، معاشرت اور ادب پر تفصیلی بحث کی گئی ہے۔منیر نیازی کا بنیادی اور معتبر حوالہ شاعر کا ہے اس لیے اُن موضوعات کا تجزیہ کرتے ہوئے اُن میں ادبی نقوش ضرور مرتب کرتے دکھائی دیتے ہیں۔منیر نیازی کے کالموں کے مطالعے سے یہ عنصر عیاں ہوتا ہے کہ وہ معاشرتی خوش حالی، صحت مند جمہوریت، اور آزادانہ معاشرے کے خواہاں تھے اور معاشرے میں منافقت پر مبنی سیاست، جہالت، غربت اور بے روزگاری کا خاتمہ ہی نہیں بلکہ معاشرے کے نفوس سے اس بات کی توقع کرتے نظر آتے ہیں کہ وہ اپنے تفویض شدہ فرائض اچھی طرح سرانجام دیں۔منیر نیازی شاعری میں جتنا علامت پرست اور ماضی پسند شاعر کے طور پر سامنے آتا ہے کالموں میں بھی اس کا اسلوب واضح ہے۔منیر نیازی کے کالم ادبی موضوعات کے ساتھ ساتھ انسانی مسائل کے ہمہ جہت پہلوؤں پر مکمل داستان ہے۔ ماضی کو یاد کرتے ہوئے منیر نیازی شہر نگاراں سے اُچاٹ دکھائی دیتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

''ایک شہر خیال تھا جو اُجڑ گیا اور اب یہ شہر شہر نہیں لگتا بے سمت مسافروں کی سرائے لگتا ہے''۔(۲۲)

منیر نیازی ماضی پرست ہونے کے ساتھ اپنے ان کالموں میں بسا اوقات عہدِ حال کی روشن تبدیلیوں پر زور دیتے ہیں۔ان کالموں کے ذریعے اُن کے کلام میں موجود علامات کو سمجھا جائے تو یقیناً یہ کہا جاسکتا ہے کہ منیر نیازی ماضی، حال اور مستقبل کا شاعر اور ادیب ہے۔

حوالہ جات وحواشی

۱۔ Oxford dictionary of English, page 193, Published 1986.

۲۔ خالد محمود عالی، اُردو صحافت تاریخ وفن، نیو یارک پیلس لاہور، س۔ن، ص ۹۱

۳۔ فیروز اللغات، فیروز سنز لمیٹڈ لاہور، س۔ن، ص ۹۷۷

۴۔ نور اللغات، جلد چہارم نیشنل بک فاؤنڈیشن لاہور، ۱۹۸۵ء، ص ۲۲

۵۔ کتابستان ڈکشنری، کتابستان، اُردو بازار لاہور، س۔ن، ص ۱۲۸۔۱۲۷

۶۔ The Oxford guide to English language, oxford press, 6 Tokyo, page 292, university

۷۔ رشید احمد گوریجہ، ڈاکٹر ''رہنمائے صحافت'' مجید بک ڈپو لاہور، س۔ن، ص ۱۷۷

۸۔ عبدالسلام خورشید، ڈاکٹر، مضمون، بعنوان، ''اُردو صحافت ۱۸۵۷ء سے ۱۹۶۲ء تک نقوش لاہور نمبر، حصہ دوم، ص ۸۵۲

۹۔ عبدالسلام خورشید، ڈاکٹر، مضمون، بعنوان، ''اُردو صحافت ۱۸۵۷ء سے ۱۹۶۲ء تک نقوش لاہور نمبر، حصہ دوم، ص ۸۵۲

۱۰۔ محمد شمس الدین، روزنامہ جنگ کا آغاز، جرنسلٹ، شعبہ ابلاغِ عامہ، جامعہ کراچی، ۱۹۹۷ء، ص ۱۰۸

۱۱۔ قلمی نام منیر نیازی، اصل نام محمد منیر خان [۱۹۲۸ء-۲۰۰۶] خانپور ضلع ہوشیار پور میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم خانپور اور ساہیوال سے حاصل کی۔ کالج تعلیم بہاولپور، لاہور، سری نگر اور جالندھر سے حاصل کی۔ بی۔ اے کے آخری سال میں تھے کہ پاکستان قائم ہوا۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد انڈین نیوی میں ملازمت اختیار کر لی جو کہ طبیعت سے مطابقت نہ ہونے پر ترک کردی۔ شاعری بچپن سے کرتے آرہے تھے۔ اُردو اور پنجابی شاعری کے منفرد اسلوب اور ذاتی لہجے کے حامل شاعر تھے۔ اُن کی تخلیقات میں شعری مجموعے جن میں تیز ہوا اور تنہا پھول، جنگل میں دھنک، دشمنوں کے درمیان شام، ماہِ منیر، چھ رنگین دروازے، آغازِ زمستان میں دوبارہ، ساعتِ سیار، پہلی بات ہی آخری بات تھی۔ ایک دعا جو میں بھول گیا، سفید دن کی ہوا اور سیاہ شب کا سمندر، ایک مسلسل، ایک اور دریا کا سامنا (کلیاتِ منیر نیازی)، اور نثری تصانیف میں پنجابی ڈراما ''قصہ دو بھرانوں دا'' جس کا اُردو ترجمہ ''قصہ دو بھائیوں کا'' کے نام سے ہو چکا ہے شامل ہیں۔

۱۲۔ منیر نیازی نے ''شہرنما'' کے عنوان سے روزنامہ جنگ لاہور ۱۹۹۳ء میں کالم تحریر کیے جن کی فہرست درج ذیل ہے۔

i.	کچھ باتیں ان کہی رہنے دو	۱۲ جنوری ۱۹۹۳ء
ii.	ٹوٹا مکالمہ	۱۸ جنوری ۱۹۹۳ء
iii.	متفرقات	۲۷ جنوری ۱۹۹۳ء
iv.	مہنگائی کمانیوالے ہاتھ اور پولیس	۱۰ فروری ۱۹۹۳ء
v.	زمانے کو کیا ہوتا جا رہا ہے	۲۲ فروری ۱۹۹۳ء
vi.	ایک کروڑ روپے کا فنڈ	
vii.	بہاولپور کا ادبی سفر	
viii.	ڈش انٹینا	
ix.	ذرا اسلام آباد تک	۱۰ اپریل ۱۹۹۳ء
x.	متفرقات	۲۰ اپریل ۱۹۹۳ء
xi.	جھٹکے	۳۰ اپریل ۱۹۹۳ء
xii.	سفر نامہ نگاروں کی حسینہ	۱۲ مئی ۱۹۹۳ء
xiii.	فلمیں اور دلچسپ بھکاری	۱۶ مئی ۱۹۹۳ء
xiv.	آصف زرداری کی مجلس دیکھنے کا اشتیاق	۲۲ مئی ۱۹۹۳ء
xv.	شہر خوشیوں اور اندیشوں کے درمیان	۲ جون ۱۹۹۳ء
xvi.	شیر لا کر جلسے کی رونق بڑھانا اچھی روایت نہیں	۱۱ جون ۱۹۹۳ء
xvii.	کشمیر اور بجلی کی طرح آتی جاتی حکومتیں	۱۳ جون ۱۹۹۳ء

xviii. ٹٹوؤں کو رگڑ رگڑ کر گھوڑے بنانے کی کوشش	۲۳ جون ۱۹۹۳ء
xix. ہر ٹولی کا اپنا اپنا ہیرو اور اس کی تعریفیں	۱۲ جولائی ۱۹۹۳ء
xx. خاص وضع اور سج دھج کا آدمی سیف الدین سیف	۱۴ جولائی ۱۹۹۳ء
xxi. نمبر دو مشاعرے، شاعروں کی تذلیل انتخابات اور جمہوریت	۱۶ جولائی ۱۹۹۳ء
xxii. شناسائی، سیاست اور ایک نیا ادبی رسالہ	۲۴ جولائی ۱۹۹۳ء
xxiii. بارش کے مسائل اور چوہدری حبیب اللہ	۳۰ جولائی ۱۹۹۳ء
xxiv. ذرا مظفر آباد تک	۷ اگست ۱۹۹۳ء
xxv. کوئٹہ کا مشاعرہ اور غلط فہمیوں کے نتائج	۱۳ا اگست ۱۹۹۳ء
xxvi. انتخابات کی گہما گہمی	۲۵ا اگست ۱۹۹۳ء
xxvii. باخبر مجرم، تبادلے اور افیونی شیر	۲۸ا اگست ۱۹۹۳ء
xxviii. پانی اور ٹینکی کی چھپکلیاں	۴ ستمبر ۱۹۹۳ء
xxix. دہشت زدہ بلی اور غضبناک چوہا	۱۶ ستمبر ۱۹۹۳ء
xxx. لبوں کی ناگفتہ حالت اور رکشاؤں کے برق رفتار میٹر	۱۲ اکتوبر ۱۹۹۳ء
xxxi. طویل تحریریں، تقریریں اور رپورٹر	۱۸ اکتوبر ۱۹۹۳ء
xxxii. فیض کے اسباب	۱۱۶ اکتوبر ۱۹۹۳ء
xxxiii. بمبئی کا مشاعرہ، اسلام آباد اور چندی گڑھ	۲۸ اکتوبر ۱۹۹۳ء
xxxiv. جرائم پولیس اور نئی بستیاں	۶ نومبر ۱۹۹۳ء
xxxv. خالی خزانے کا سانپ	۱۷ نومبر ۱۹۹۳ء
xxxvi. آبادی کا عدم وازن اور قدرت کے اقدامات	۲۳ نومبر ۱۹۹۳ء
xxxvii. بے روزگاری کی کھیپ	۲۷ نومبر ۱۹۹۳ء
xxxviii. حق ہمسائیگی	۳ دسمبر ۱۹۹۳ء
xxxix. اللہ کریسی	۱۰ دسمبر ۱۹۹۳ء
xxxx. رائٹر گلڈ کے انتخابات، ٹریفک کارش اور دخل در معقولات	۱۹ دسمبر ۱۹۹۳ء
xxxxi. نصف خوردہ آدمی	
xxxxii. منافع بخش کاروبار	
xxxxiii. نعیم ہاشمی کو رخصت ہوئے چوتھائی صدی بیت گئی۔	
xxxxiv. شاہین فردوس اور تسلیم آپا کی مختصر رفاقت	

۱۳۔ منیر نیازی، شہر نما، مرتبہ صدف بخاری، دوست پبلی کیشنز لاہور، ۲۰۱۱ ص ۷۵

۱۴۔ ایضاً،ص۸۷

۱۵۔ ایضاً،ص۶۲

۱۶۔ ایضاً،ص۶۳

۱۷۔ ایضاً،ص۸۰

۱۸۔ ایضاً،ص۱۱۳

۱۹۔ ایضاً،ص۱۴۳

۲۰۔ ایضاً،ص۱۳۸۔۱۳۷

۲۱۔ ایضاً،ص۱۲۶

۲۲۔ منیر نیازی،فلیپ شہر نما،بحوالہ ڈاکٹر تبسم کاشمیری،دوست پبلی کیشنز لاہور،۲۰۱۱ء